© rasailojaraid.com

عہد وسطیٰ کے
ہندوستان میں تاریخ نگاری

(تیرھویں صدی عیسوی کے مسلم مورخین کی تالیفات کا تجزیاتی مطالعہ)

پروفیسر اقتدار حسین صدیقی

اسلام کے صدر اوّل ہی میں مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ رسول اللہؐ کی حیات طیبہ سے متعلق سچی اور صحیح روایات کو سپرد قلم کرنا ضروری ہے تاکہ آنے والی نسلیں آپ کی سیرت پاک اور تعلیمات سے بخوبی روشناس ہو سکیں۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عظیم المرتبت صحابیوں کی سوانح عمریاں مرتب ہونے لگیں۔ چونکہ ان تالیفات کے پیچھے جذبۂ دین کارفرما تھا لہٰذا مولفین نے روایات کی سچائی جانچنے کے لیے تحقیق اور تصدیق کے سلسلے میں اہم تنقیدی اصول مرتب کیے، یہ اصول فن اسماء الرجال کے نام سے مشہور ہیں۔ اگرچہ ابتدائی تاریخی لٹریچر زیادہ تر سوانح عمریوں پر مشتمل ہے تاہم یہ لٹریچر دنیا میں سنجیدہ تاریخ نگاری کی تاریخ میں پہلی کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک تاریخی واقعات درج ہیں اور افسانویت اور غلط روایات کو الگ کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ لٹریچر صاحب سوانح کی زندگی کے علاوہ اس کے عہد کے حالات اور معاشرتی نظام کے متعلق بھی ضروری معلومات فراہم کرتا ہے۔

جلد ہی سوانح نگاری کی روایت نے تاریخ نگاری کی روایت کو جنم دیا۔ سوانح نگاروں کی طرح مورخین نے بھی تنقیدی اسالیب کو استعمال کرکے واقعات کی صداقت جاننے کے لیے بڑی احتیاط سے کام لیا۔ عربی زبان میں لکھی ہوئی اِن ابتدائی اسلامی تاریخوں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اِن میں معاشرے کی بڑی حد تک تصویر کشی کی گئی ہے۔ دوسرے ان کا موضوع (Sub-ject matter) اور مواد مذہبی نوعیت کا ہے اور ان میں سیاسی امور کا بیان ضمنی طور پر آتا ہے۔ لہٰذا یہ لٹریچر اسلامی تاریخ کا گراں مایہ حصہ ہے۔ لیکن دسویں صدی عیسوی میں خلافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنو عباس کے زوال کے نتیجہ میں جب مسلمانوں کی علاقائی سلطنتیں وجود میں آنے لگیں تو سیاسی تبدیلیوں کے باعث تاریخ نگاری میں بھی تبدیلی رونما ہوئی۔ اسی وجہ سے گیارہویں صدی سے مسلم مورخین کی تاریخ سے متعلق نظریات میں جو تبدیلی واقع ہوئی اس کا اثر ان کی تالیفات اور اس کے معیار پر بھی پڑا۔

تاہم یہ بات قابل ذکر ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں عالم اسلام میں جو مسلم سلطنتیں وجود میں آئیں اور جن کے فرماں روا امیر یا سلطان کے لقب سے مشہور ہوئے اُن کے سیاسی اور ثقافتی کارناموں سے متعلق علماء اور دانشوروں نے اُن کی سرپرستی سے متاثر ہوکر یا اُن کی سرپرستی حاصل کرنے کی امید میں جو تاریخیں مرتب کیں وہ شروع میں علمی اور ثقافتی روایت کے تحت عربی ہی میں لکھی گئی تھیں اور چونکہ مورخین کی تعلیم و تربیت اسلامی ماحول میں اور اسلامی روایات کے تحت ہوتی تھی اس لیے وہ اپنی تاریخ پر کتابوں کی تکمیل کے سلسلے میں قدیم اسلامی مورخین کا حتی المقدور تتبع کرتے تھے اور ان کے سامنے ماضی کے اسلامی مورخین کے کارنامے ماڈل کا کام دے رہے تھے۔ لہٰذا انھوں نے تمام واقعات کی صداقت جاننے کے سلسلے میں بڑی احتیاط سے کام لیا لیکن چونکہ سیاست اور سیاسی نظام میں عظیم تبدیلی آچکی تھی اور اسلامی سیاسی نظام مسلم یا سلطنت کے سیاسی نظام میں تبدیل ہوچکا تھا۔ لہٰذا یہ تبدیلی مسلم مورخین کی تاریخ نگاری پر بھی اثر انداز ہوئی۔ اب مورخین کی تالیفات کا نفس مضمون زیادہ تر سیاسی ہوگیا۔ مذہب کا ذکر اس وقت ضرورتاً آتا جبکہ کسی سلطان کی خدا ترسی، دینداری اور اُس کے یہاں احترامِ شریعت جیسی خوبیوں کو بیان کرنا مقصود ہوتا۔ لہٰذا یہ تاریخ نگاری قدیم اسلامی تاریخ نگاری سے مختلف شکل اختیار کرگئی۔ قدیم اسلامی تاریخ میں نفس مضمون بنیادی طور پر مذہبی ہوتا تھا اور اس میں سیاسی امور کا ذکر ضمناً آتا تھا۔ دوسرے گیارہویں صدی عیسوی سے مسلم مورخین کا مقصد زیادہ تر فرماں روائے وقت کی جنگی مہمات، فتوحات انتظامی اور ثقافتی کارناموں کو بیان کرنا ہوتا تھا اور وہ سلطنت میں واقع ہونے والی اہم تبدیلیوں اور ملکی واقعات کو دربار شاہی سے یا سیاسی مرکز سے متعلق کرکے دیکھتے تھے۔ دارالخلافہ کے باہر صوبائی شہروں اور قصبوں کے حالات کو صرف اس وقت بیان کرتے تھے جبکہ وہاں کوئی غیر معمولی واقعہ یا حادثہ پیش آتا تھا اور جس سے مرکز متاثر ہوتا تھا۔ جیسے بغاوت یا بیرونی حملہ۔ اس کے نتیجہ میں اس عہد کی تاریخ نگاری کا دائرۂ بیان (Scope) بہت محدود ہوگیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برخلاف اس کے قدیم اسلامی تاریخ کا Scope بہت وسیع ہے اس میں ہم اس زمانہ کی مکمل تصویر پاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ نئے عہد کی سیاسی اور ثقافتی اہمیت کی تبدیلیاں جن کو یورپ کے مستشرقین نے قدیم ایرانی ثقافت کی نشاۃ ثانیہ سے تعبیر کیا ہے اور مسلم دانشوروں نے اس کو بغیر تنقید اور غور و خوض کے قبول کر لیا ہے قدیم اسلامی تاریخ نگاری کی روایت کو بہت زیادہ متاثر نہ کر سکیں۔ اب بھی مسلم مورخین نے قدیم روایت کے تحت اپنی کتابیں عربی زبان میں لکھیں اس کی وجہ عربی زبان کی علمی اور ثقافتی اہمیت تھی[1] مسلم دانشوروں کے نزدیک بعد میں جب فارسی نثر ترقی یافتہ ہوگئی اور مسلم اشراف میں مطالعہ کے لیے فارسی نثر میں کتابوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی تو گردیزی اور بیہقی نے غزنوی سلاطین کے عہد اور اُن کے کارناموں سے متعلق فارسی میں تاریخیں مرتب کیں۔ دونوں کے سامنے العتبی کی کتاب تاریخ الیمینی ماڈل کے طور پر تھی۔ دونوں کے یہاں واقعات تاریخی اہمیت کے درج کیے گئے ہیں۔ برخلاف ان کے قدیم ایرانی تاریخی کتابوں میں قدم قدم پر حقیقت اور افسانویت کی آمیزش ہو جاتی تھی۔ ماقبل اسلام کوئی تاریخ رومانی عنصر سے پاک نہیں تھی۔ غرض یہ کہ مسلم تاریخ نگاروں کو جو چیز ایک امتیازی شان عطا کرتی ہے وہ اُن کا تاریخی شعور تھا وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ سلاطین، اکابر یا اصاغر کا ہر فعل تاریخی اہمیت کا حامل نہیں ہوتا۔ اس لیے انھوں نے اپنی تالیفات میں شامل کرنے کے لیے صرف انھیں واقعات اور حقائق کا انتخاب کیا جن کا نظام حکومت اور لوگوں کی زندگی پر اچھا یا بُرا اثر پڑا ہو۔ یہی خصوصیت ہندوستان میں سلطنت کے قیام کے بعد مسلم مورخین کی کتابوں میں نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ اُن میں ہندوستانی ماحول میں جو اہم تبدیلیاں

---

[1] سلطان محمود غزنوی کے دربار سے متعلق العتبی نے اس کے کارناموں پر "تاریخ الیمینی" عربی زبان میں مرتب کی۔ العتبی کی تالیف اور بعد میں قاضی بہاء الدین کی عربی میں سلطان صلاح الدین ایوبی پر تالیف نئی تاریخ نگاری کی بہترین مثالیں کہی جا سکتی ہیں۔ دونوں مولفین نے اپنے ہیرو کے کارنامے بیان کیے ہیں اور ان کی انصاف پسندی اور دوسری اخلاقی خوبیوں کو سراہا ہے۔ اور دونوں میں نفس مضمون سیاسی نوعیت کا ہے۔ مذہب کا ذکر دونوں فرماں رواؤں کی دینداری اور خدا ترسی کو اجاگر کرنے کے سلسلے میں آتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاست اور مسلم ثقافت میں پیش آتی رہیں اُن کا ذکر بھی ملتا ہے۔ لیکن یہاں بھی قدیم اسلامی تاریخ نگاری کی روایت کا برابر احترام ہوتا رہا۔ ہندوستانی سلطنت کے نمائندہ تاریخ نگاروں نے واقعات کی چھان بین میں پوری طرح احتیاط برتی ہے۔ نہ تو ساسانی روایت کے مطابق ان کی کتابوں میں سلطان کو انسانی پیکر میں کسی دیوتا یا یزداں کی اولاد میں سے دکھایا گیا ہے اور نہ غیر تاریخی افسانوی قصوں کو زیب داستان کے لیے شامل ہی کیا گیا ہے۔ فارسی کی ان نمائندہ تاریخوں میں خالص تاریخی اہمیت کا مواد شامل کیا گیا ہے۔

اس کی اہمیت کو یہودی اسکالر، برناڈ لوئس نے ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے: "تقریباً ہر شاہی خاندان جس نے کسی مُسلم ملک پر حکمرانی کی اس سے متعلق متعدد تاریخی کتابیں ہیں۔ بہت سے ممالک میں جہاں بلند پایہ ثقافت تھی وہاں بھی سنجیدہ تاریخ نگاری کی روایت اسلام کے وہاں پہنچنے کے بعد ہی شروع ہوئی[1]

دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ فارسی میں لکھنے والے مورخین اپنے معاصر سلاطین کے غیر اسلامی یا جابرانہ کاموں پر تنقید سے گریز کرتے ہیں۔ اس میں یقیناً سلطانِ وقت کا خوف مانع ہوتا تھا لیکن چونکہ مذہبیت اور اخلاقی ذمہ داری کا احساس بھی موجود تھا لہذا انہوں نے تنقید کا پوشیدہ طریقہ (esotericism) اختیار کیا۔ اس اسلوبِ بیان کے تحت عبارت کے معنی بظاہر کچھ اور ہوتے ہیں لیکن بغور دیکھنے اور بین السطور کے مطالعہ سے فرمانروائے وقت یا اس کے باپ اور خاندان کی حکمت عملی پر تنقید پنہاں نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی فرمانروا کی بظاہر تعریف ہی میں اس پر تنقید پائی جاتی ہے۔ غرض کہ ان تاریخوں میں مورخ اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے اکثر کنایہ اور اشارہ سے کام لیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ نئی فارسی میں تاریخ نگاری کی اہم خصوصیت اس میں چھپے ہوئے تبصرے (Hidden critiques) ہیں۔

ہندوستان میں تاریخ نگاری پر تبصرہ شروع کرنے سے پہلے سلطان اور سلطنت کی سیاسی اور ثقافتی حیثیت کا مختصراً بیان بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں کے کردار اور عمل سے تاریخ نگاری متاثر ہوئی ہے۔ دورِ حاضر کے مورخین سے عام طور پر یہ غلطی سرزد

---

[1] برناڈ لوئس۔ اسلام، جلد اول، نیویارک ۱۹۷۴ء، ص XVIII

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی ہے کہ وہ مسلم سلاطین پر بے وجہ قدیم ساسانی بادشاہوں کی روایات کا اثر دکھاتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلاطین ہند عظیم عباسی خلفاء کی شان و شوکت سے متعلق روایات کو اپنا آئیڈیل بناتے تھے۔ لیکن عباسی خلفاء کی طرح ان کو دینی قیادت کا مقام حاصل نہیں تھا۔ اب یہ مقام علماء کے لیے مخصوص تھا۔ اسی طرح سلطان قانونِ شریعت کی توجیہ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ یہ حق فقہاء کا تھا۔[۱] درحقیقت سلطان کو اس معاملہ میں علماء سے مصالحت کرنی پڑتی تھی۔ مزید برآں سلطان کو رائے عامہ کا احترام کرنا بھی ضروری تھا۔ لہٰذا ساسانی یا قدیم غیر مسلم بادشاہوں کی طرح وہ عوام سے قطعی علٰحدگی (Isolation) اختیار نہیں کرسکتا تھا۔ کم سے کم دہلی سلطنت کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف وہی سلاطین کامیاب اور مقبول ہوئے جو اپنے فرائض کی انجام دہی کامیابی سے کرسکے۔ جو مروجہ روایات پر عمل پیرا رہنے میں ناکام رہے، انھیں بعض اوقات تخت و تاج کیا اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔

مذکورہ بالا پس منظر میں ہم تیرہویں صدی عیسوی کے ہندوستان میں فارسی زبان میں تاریخ نگاری کی ابتدا اور اس کے ارتقار کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کس طرح مورخین نے قدیم اسلامی روایات کو مدِنظر رکھ کر تاریخی واقعات کو بیان کیا ہے اور تاریخ سے متعلق ان کے نظریات، مذہبی معتقدات اور اُن کی ذاتی پسند اور ناپسند کہاں تک اُن کے انظہار خیال (Approach) پر اثرانداز ہوئے ہیں؟

تاریخ پر اس دور کی سب سے پہلی کتاب محمد بن منصور کی شجرۂ انساب ہے جن کو عام طور پر فخر مدبر کے لقب سے پکارا جاتا تھا، مولف نے اپنی اس تالیف کو ۱۲۰۶ء کے بعد سلطان قطب الدین ایبک کے نام معنون کیا۔ مولف خود اور اس کے خاندان کے لوگ پشتوں سے غزنی میں سلطان محمود غزنوی اور اس کے جانشینوں کے دربار سے منسلک رہے۔ ۱۱۵۲ء میں غزنی پر غز ترکوں کی یورش اور تسلط پر جب غزنوی دربار لاہور منتقل ہوا تو فخر مدبر اور اس کے ضعیف باپ بھی لاہور آکر مستقل طور پر سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ لاہور ہی میں فخر مدبر نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے خاندان اور نسب سے متعلق شجرہ مرتب کرے۔

---

[۱] علماء نے سلطان کو غیر معمولی حالات میں سلطنت اور امن و امان کے دشمنوں کو سزا دینے کا اختیار ضرور دے دیا تھا لیکن عام طور پر تمام مقدمات قاضی کی عدالت ہی میں شرعی قانون کے مطابق طے ہوتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اسی دوران میں اس کو اکابرینِ اسلام کا شجرہ مکمل کرنے میں دلچسپی ہوگئی لیکن لاہور میں تمام تاریخی لٹریچر خاص طور پر اس کے اپنے خاندان سے متعلق کاغذات دستیاب نہیں ہوسکے اس لیے کام نے طوالت اختیار کی۔ جب ۱۱۸۶ء میں سلطان غیاث الدین محمد بن سام نے غز ترکوں کو غزنین سے نکال کر وہاں اپنے بھائی سلطان معز الدین محمد بن سام کو حکمراں بنادیا تو امن و امان قائم ہوا اس کے بعد فخر مدبر کو موقع ملا کہ وہاں پہنچ کر اپنے خاندانی کاغذات اور ضروری لٹریچر اکٹھا کر کے لاہور لائے۔ اس طرح بیس سال کی مدت میں ۱۲۰۶ء میں شجرۃ الانساب پایۂ تکمیل کو پہنچا اسی سال سلطان معز الدین محمد بن سام کی شہادت کے بعد جب ملک قطب الدین ایبک لاہور میں سلطان بنا تو فخر مدبر نے نئے سلطان کی ابتدائی زندگی، اس کی تعلیم و تربیت اخلاقی خوبیاں اور ہندوستان میں فتوحات کی مختصر تاریخ مرتب کر کے شجرۂ انساب میں مقدمہ کی صورت میں شامل کیا اور اسے نئے سلطان کی خدمت میں پیش کیا تاکہ کتاب کے توسط سے اس کی دربار شاہی میں رسائی ہوسکے۔

متن اور تفاصیل کی نوعیت کی بنا پر اس مقدمہ کو ہم ہندوستان میں فارسی زبان میں لکھی گئی پہلی اہم تاریخ کہہ سکتے ہیں۔ اس کے اوراق میں ہمیں عظیم فاتح قطب الدین ایبک کی جامع اور مکمل تصویر ملتی ہے۔ مقدمہ کی اس اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے انگریز اسکالر سر ای، ڈینی سن اوس نے اس کو شجرۂ انساب[1] سے الگ کر کے تصحیح اور انگریزی میں مقدمہ کے ساتھ ۱۹۲۱ء میں لندن سے شائع کیا[2]۔

دستور زمانہ کے مطابق کتاب کسی بھی موضوع سے متعلق ہو اگر اس کو دربار شاہی میں پیش کرنا ہوتا تو اس کے دیباچہ یا مقدمہ میں فرماں روائے وقت کی تعریف و توصیف ضرور

---

[1] شجرۂ انساب میں کُل ایک سو چھتیس ۱۳۶ خاندانوں کے شجرے ملتے ہیں۔ نبی کریمؐ، صحابہ کرامؓ، انبیاء کرامؑ جن کا ذکر قرآن مجید میں ملتا ہے ان کے علاوہ قبل اسلام اور بعد از اسلام عرب شعراء، قدیم ایرانی شہنشاہوں کے شجرے، اموی اور عباسی خلفاء کے شجرے اور پھر اخیر میں مسلم فقہاء اور سلاطین کے شجرے بھی ملتے ہیں۔

[2] ڈینی سن روس نے غلطی سے فخر مدبر کو بحر الانساب کے مولف فخر الدین مبارک شاہ مارورادوی تصور کر کے مقدمہ کا نام تاریخ فخر الدین مبارک شاہ رکھ دیا۔ بعد میں مورخین نے اس غلطی کو واضح کر کے مقدمہ کو تاریخ فخر مدبر کہنا شروع کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنی پڑتی تھی۔ یہ تعریف و توصیف چند جملوں میں بھی کی جا سکتی تھی لیکن چونکہ فخر مدبر تاریخی شعور رکھتے تھے اور قطب الدین ایبک کی اعلیٰ صفات سے متاثر بھی تھے لہٰذا انھوں نے ایبک کے عہد پر مفصل تاریخ لکھی۔ یہ تاریخ (یعنی مقدمہ) اُن کے ایک کامیاب مورخ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں مولف نے ایبک کی سوانح عمری سے متعلق انھیں واقعات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے جن کی تاریخی اہمیت ہے۔ غیر تاریخی اہمیت کی تفاصیل کو چھوڑ دیا ہے۔ اس کے علاوہ اس سے ان تاریخی عوامل کی بھی اچھی طرح نشاندہی ہوتی ہے جو کہ مسلم فتوحات اور قطب الدین ایبک کے سلطان ہو جانے کے بعد کارفرما ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فخر مدبر کے بعد حسن نظامی اور منہاج الدین جوزجانی (یعنی منہاج سراج) نے ان عوامل کی نشاندھی نہیں کی ہے۔

تاریخ فخر مدبر کا آغاز حمد اور نعتیہ جملوں سے ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ کے علاوہ اُن سے پہلے کے ان انبیاؑ کا ذکر بھی ہے جن کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد گنبد نیلوفری، سات آسمانوں اور سیاروں کا ذکر ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت کی نشانی بتایا ہے۔[1] بعد ازاں سلطان اور اُس کے وجود کو روئے زمین پر امن و امان اور انسانی ارتقار کا ضامن ثابت کرنے کی غرض سے کہتے ہیں کہ معاشرے میں نظم و ضبط اور شریعت کا نفاذ سلطان ہی کے وجود سے ممکن ہے۔ اس ضمن میں سلطان اور سلطنت کی مذہبی حیثیت ثابت کرنے کے لیے ضعیف احادیث نقل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر حدیث ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: "جو میری فرماں برداری کرتا ہے وہ اللہ کی فرماں برداری کرتا ہے اور جو سلطان کی فرماں برداری کرتا ہے وہ میری فرماں برداری کرتا ہے"۔ یا پھر دوسری حدیث ہے: "اگر سلاطین نہیں ہوں گے تو لوگ ایک دوسرے کو نگل جائیں گے"۔[2]

مذکورہ بالا احادیث سے یہ باور ہوتا ہے کہ فخر مدبر سے پہلے کے مسلم دانشوروں نے سیاسی اغراض کی بنا پر سلطنت کو استحکام دینے کے لیے بہت سی روایات وضع کر کے انھیں رسول اللہؐ سے منسوب کر دیا تھا۔ فخر مدبر نے اُن ہی کو اپنی تالیف میں من و عن نقل کر دیا ہے سلطان کے فرائض سے متعلق مولف کا بیان تاریخ کے نقطۂ نظر سے بڑا اہم ہے کیونکہ

---

[1] تاریخ فخر مدبر۔ ص۲-۴ [2] ایضاً۔ ص۱۱-۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ علما اور مسلم دانشور سلطان کے فرائض اور ذمہ داریوں سے واقف تھے اور ہر نئے سلطان سے توقع رکھتے تھے کہ وہ اپنے سیاسی اور دینی فرائض کو سنجیدگی اور مستعدی سے انجام دے گا۔ سلطان کا سب سے پہلا فرض تھا کہ وہ سلطنت میں غیر جانبدارانہ طریقہ پر انصاف قائم کرے تاکہ اُس کے تحت کمزور اور طاقتور، غریب اور امیر میں کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔ اس کے بعد باغی، بغاوت اور معاشرے میں امن وامان کے دشمنوں کا سدباب کرے، منکرات و بدعات کا خاتمہ کرے، شہروں اور قصبات میں مساجد اور مدارس تعمیر کرائے، شاہراہوں پر پُل کنویں اور رباط (سرائے) تعمیر کرائے، اہم مقامات پر قلعہ تعمیر کرائے تاکہ لوگوں کو ڈاکوؤں اور حملہ آوروں سے تحفظ میسر ہو سکے۔ اس کے علاوہ سلطان کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ اپنے قلمرو میں ایسے حالات پیدا کرے کہ ان کے تحت کسان خوش حال ہو سکیں۔[1]

مولف کا ایک مقصد ہندوستان میں آزاد مسلم سلطنت کے بانی کی اخلاقی خوبیاں اور اس کی عدیم المثال شجاعت، فوجی صلاحیت، فیاضی اور اولوالعزمی کو بیان کرنا تھا لہٰذا قطب الدین ایبک کے آقا سلطان معزالدین محمد بن سام کا ذکر ضمناً آتا ہے۔ لیکن اس مختصر ذکر میں بھی غزنین میں سلطان کے اہم کارناموں کا خاطر خواہ علم ہو جاتا ہے۔ مثلاً فخر مدبر لکھتے ہیں کہ غزنین اور اُس سے متعلق علاقہ میں غز ترکوں کے جبر و استبداد کی وجہ سے بچے کھچے لوگ مفلوک الحال تھے جس کی وجہ سے وہاں اچھے اچھے لوگوں میں ایک معمولی ہندوستانی غلام رکھنے کی بھی استعداد نہیں رہی تھی لیکن وہاں پر سلطان معزالدین محمد بن سام کے تسلط کے بعد امن وامان قائم ہوا اور علاقہ کی دوبارہ ترقی کے لیے راہ ہموار ہوئی۔ جلد ہی راستے محفوظ ہو گئے اور بیرونی ممالک سے تجار کے قافلے آنے لگے۔ اس تجارت کی بحالی کے بعد لوگوں کے پاس دوبارہ دولت اکٹھی ہونے لگی نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ ایک غلام بھی نہیں رکھ سکتے تھے اب اُن کے پاس گھوڑوں اور اونٹوں کے علاوہ کئی غلام اور کنیزیں نظر آنے لگیں۔ ان نیک کاموں کے انعام میں اللہ نے سلطان کو ایک خوش بخت اور نیک خصال غلام بخشا جو کہ ملک قطب الدین ایبک تھا۔[2]

---

[1] تاریخ فخر مدبر، ص ۱۲ تا ۱۸ [2] ایضاً ص ۱۹-۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلطان کے مختصر ذکر کے بعد مولف نے ملک قطب الدین ایبک کے حالات ذرا تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ منہاج سراج جوزجانی کی تالیف "طبقات ناصری" کے موازنہ سے پتہ چلتا ہے کہ آخرالذکر نے ایبک کے ابتدائی حالات لکھنے کے لیے تاریخ فخر مدبر سے استفادہ کیا تھا کیونکہ دونوں کی تفصیلات میں بڑی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ دونوں ہی نے ایبک کی عدل پسندی، داد و دہش اور فوجی اور عسکری صلاحیتوں کو یکساں طور پر سراہا ہے۔ فخر مدبر کے مطابق، قطب الدین نے سلطان بننے سے پہلے ہی سلطان معز الدین محمد بن سام کی غلامی میں اپنی فراخ دلی اور بلند حوصلگی کی بنا پر ہزاروں آزاد لوگوں کو احسان اور عنایات سے اپنا غلام (یعنی گرویدہ) بنالیا تھا۔ ہمت اور فیاضی میں وہ لامثال تھا۔ ماضی کا کوئی بڑے سے بڑا سلطان اس کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔ اس بیان کو مزید زوردار الفاظ میں پیش کرنے کی غرض سے وہ ایک بہت ہی مقبول روایت کو نقل کرتا ہے کہ سومنات کی فتح کی تعریف میں فرخی کا قصیدہ سن کر سلطان محمود غزنوی (م ۱۰۳۰ء) اس قدر خوش ہوا تھا کہ اُس نے فرخی کو پیل وار (یعنی وہ بوجھ جو ہاتھی پر لادا جاتا ہے) خزانہ انعام میں دے دیا تھا۔ لیکن ایبک اس طرح خزانے بخشتا رہتا ہے کہ اگر تمام خزانے سونے کے ہو جائیں تو اس کی نظر میں اُن کی ذرہ برابر اہمیت نہ ہوگی[۱] یہی حالت اس کی خدا ترسی کی ہے۔ ایبک نے اپنی سیاسی مصلحت کے تحت کبھی کسی مسلمان کو قتل نہیں کرایا۔ عفو اور درگذر اس کی سیرت کی نمایاں خصوصیت ہے[۲]

فخر مدبر ایبک کی فوجی مہمات اور فتوحات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ سپاہیوں کی ہمت افزائی کے لیے معرکۂ جنگ میں پیش پیش رہتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی مضبوط اور ناقابل فتح قلعہ کا محاصرہ کیا ہو اور پھر وہاں سے ناکام لوٹے ہوں۔ فتح کے لیے وہ خود منجنیق[۳] کی کارکردگی کی نگرانی کرتے ہیں۔ جب قلعہ فتح ہو جاتا ہے تو وہاں نظم و نسق قائم کرنا اپنی اولین ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ فوج اور کوتوال کو تعینات کرنے کے بعد مرکز کو لوٹتے ہیں[۴]

ایبک کی فتوحات کے بعد ہندوستان میں اسلام کے فروغ کے لیے جو فضا قائم ہوگئی

۱۔ تاریخ فخر مدبر، ص ۵۲ ۲۔ ایضاً ص ۵۳ ۳۔ منجنیق مختلف سائز کے ہوتے تھے۔ ان کے ذریعہ بڑے بڑے پتھر یا آگ کے گولے قلعہ کی فصیل کو توڑنے اور قلعہ کے اندر لوگوں کو نقصان پہنچانے کے لیے پھینکے جاتے تھے۔ منجنیق کا استعمال ہندوستان میں مسلمانوں نے شروع کیا۔ ۴۔ تاریخ فخر مدبر ص ۵۰-۵۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ہندو سردار جو کہ ایبک کی اطاعت قبول کر لیتے ہیں اور جن کو محبت اور عنایات سے نوازا جاتا ہے اُن میں سے بہت سے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور ہر سال مشرف بہ اسلام ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ہندوستان کے اُن شہروں اور قصبوں میں جہاں کبھی اسلام کا نام بھی نہ سنا گیا تھا وہاں مدرسے اور مسجدیں تعمیر ہو رہی ہیں اور وہ عالم اسلام کا حصہ بن گئے ہیں[1]

اگرچہ دوسرے معاصر مورخ حسن نظامی نیشا پوری نے قطب الدین ایبک کے کارناموں کو تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن اُس کے مُسجّع اور مشکل اسٹائل کی وجہ سے ہند میں مسلم سلطنت کے بانی کی تصویر اس کے اصلی رنگ میں پوری طرح نمایاں نہیں ہو پاتی۔ عربی الفاظ، عربی جملوں اور اشعار کی بھرمار اور صنائع بدائع کی وجہ سے عبارت کا مفہوم ذرا مشکل ہی سے واضح ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے فخر مدبر ہر واقعہ کو بہت ہی سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کرتے ہیں بہت سی رسوم جن کی سیاسی اعتبار سے بڑی اہمیت تھی ان کا ذکر بھی پوری طرح اس کتاب میں ملتا ہے۔ بعد کے مورخین اختصار کی خاطر ان رسوم کو بیان نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر بیعت عام[a] سے متعلق روایت رسم کی شکل میں ایبک تک زندہ تھی۔ اس کی اطلاع صرف فخر مدبر ہی دیتے ہیں۔ قطب الدین ایبک کی تخت نشینی کے سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ جب ایبک سلطان معزالدین محمد بن سام کی شہادت کی خبر سن کر دہلی سے لاہور پہنچا تو سخت گرمی کا موسم تھا۔ راستہ میں گرمی اور پانی کی کمی کی وجہ سے، لشکر، گھوڑوں اور اونٹوں کو بے انتہا پریشانی اٹھانی پڑی تھی۔ سب بے حال تھے۔ لیکن سلطان کی تخت نشینی کی وجہ سے سب خوش نظر آتے تھے۔ نئے سلطان کی دارالخلافہ لاہور میں آمد پر وہاں کے تمام لوگ سلطان کی بیعت کے لیے گھروں سے نکل آئے۔ ائمہ کرام، قاضیان شہر، معزز سادات، اہل صفہ (یعنی گوشہ نشین درویش) امراء و ملوک، عوام و خواص، سپاہی، تجار، وضیع و شریف، کمزور اور طاقتور سب جوق در جوق آ گئے اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا[2] درحقیقت اس رسم کے بعد ایبک کی سلطنت کو مسلم سیاست

---

[1] تاریخ فخر مدبر۔ ص ۲۶ [2] تاریخ فخر مدبر، ص ۳۱

[a] مذکورہ بالا رسم کو ہم بیعت عام کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک قدیم اسلامی روایت کے اثر کے تحت بدلی ہوئی سیاست میں بھی ضروری تصور کی جاتی تھی۔ اس کی طرف حسن نظامی نے بھی اشارہ کیا ہے۔ لیکن اختصار کی خاطر منہاج سراج جرجانی نے نظر انداز کر دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تحت قانونی جواز مل گیا تھا۔

اسی طرح فخر مدبر نے قطب الدین ایبک کی اصلاحات کا جو کہ اس نے سلطان بننے کے بعد نافذ کیں ذکر کیا ہے اور چونکہ اُن کا ذکر بعد کے تیرھویں صدی کے مورخین نے غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے اس لیے فخر مدبر کی تاریخ مزید اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے۔ یہ اصلاحات اس لیے بھی اہم ہیں کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی قانون دوسرے قوانین کے مقابلہ میں برتر اور فائق تر تھا اور کسی ملک کے نظم و نسق کو شریعت اسلامی کے تحت لانے میں عوام کو زیادہ فائدہ پہنچتا تھا دوسرے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ سلطان قطب الدین ایبک کی حکمت علی مذہب سے کس حد تک متاثر ہوئی تھی۔ فخر مدبر لکھتے ہیں کہ نئے سلطان نے وہ وظائف اور املاک جو علماء، فضلاء اور دوسرے مستحق لوگوں کے نام چلے آرہے تھے ان کو بذریعہ فرمان بحال رکھا۔ اس کے علاوہ بہت سے دوسرے مستحق لوگوں کو نئے وظائف دیئے۔ مزید برآں اپنے ذاتی خزانہ سے معقول رقم خیرات میں تقسیم کرنے کے لیے مقرر کی[۵۱]

ہندوستان کی ترقی اور خوش حالی کا دار و مدار زیادہ تر زراعت پر تھا لہٰذا سلطان قطب الدین ایبک نے کسانوں کی زراعت میں دلچسپی بڑھانے کے لیے کسانوں کو بھی مراعات دیں۔ مثال کے طور پر اس نے کسانوں کو حکام کی زیادتیوں سے نجات دلانے کی کوشش کی۔ فخر مدبر پرزور الفاظ میں بتاتے ہیں کہ سلطان کی فوج میں مختلف ملکوں کے امراء اور سپاہی تھے جیسے غوری، خراسانی، خلجی اور ہندوستانی ٹھاکر اور راؤگان، لیکن ان میں سے کسی کی مجال نہیں تھی کہ کسان کے کھیت سے ایک پتی بھی لے لے یا اس کے گھر سے کھانا منگائے یا بکری یا مرغی طلب کرے۔ دوسرے اُس نے کسانوں سے جو مال (یعنی لگان) لیا جاتا تھا اس پر بھی نظر ثانی کی۔ جو کسان (غالباً مسلم) پیداوار کا پانچواں حصہ (۱/۵) حکومت کو دیتے تھے ان سے عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ (۱/۱۰) وصول کرنے کا حکم دیا اور جو زمانہ سابق سے عشر ادا کر رہے تھے اُن سے نصف عشر (یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ) لینے کا حکم دیا۔ اسی طرح سے دوسرے قوانین اور ضوابط جن کا شریعت اسلامی کی رو سے کوئی جواز نہیں تھا ان کو رد کر دیا گیا۔

آگے چل کر مولف کہتے ہیں کہ ہر معاملہ میں سلطان سختی پر نرمی کو ترجیح دیتا ہے[۵۲]

---

[۵۱] تاریخ فخر مدبر ص ۳۳ تا ۳۵ [۵۲] تاریخ فخر مدبر ص ۳۳ تا ۳۴ =

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخر میں فخر مدبر ترکستان[۱] (یعنی وسط ایشیا کے شمال کے قبائلی علاقہ) میں رہنے والے غیر مسلم ترکوں کی تعریف میں اُن کے طرز معاشرت اور مختلف ترک قبائل کے مابین تعلقات کو بیان کرتے ہیں۔ اس حصہ میں سب سے پہلے ترکوں کے علاقہ کا جغرافیہ بتاتے ہیں کہ اس کے مشرق میں چین کی سرحد ہے، مغرب میں اس کی سرحد ملک روم (یعنی مشرقی یورپ کا علاقہ) کی سرحدوں سے جا ملتی ہے جبکہ اس کے جنوب میں ہندوستانی پہاڑ (یعنی ہمالیہ واقع ہے۔ اس جنوبی علاقہ میں تبت اور چینی ترکستان کو شامل کیا ہے آج بھی ان دونوں علاقوں میں ترک نسل کے لوگوں کی اکثریت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سی اشیاء کا بھی ذکر ملتا ہے جن کی مختلف ملکوں میں مانگ تھی اور تجار یہاں سے ان اشیاء کو دنیا کے مختلف ممالک میں لے جاتے تھے۔ خاص طور پر مشک تاتاری و تبتی، قیمتی کھالیں، چینی ریشم جیسے سنجاب بہت مشہور تھے۔[۲]

فخر مدبر کا ترکوں کے متعلق یہ بیان بھی دلچسپ ہے کہ وہ ترک جو بحیثیت غلام مسلم ممالک میں لائے جاتے ہیں وہ دوسرے غیر مسلم لوگوں کے برعکس جب مسلمان ہو جاتے ہیں تو پھر کبھی ارتداد کے مرتکب نہیں ہوتے۔ دوسرے نو مسلم لوگوں کی طرح نہ تو ان کو قدیم وطن کی محبت اسلام سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے اور نہ اپنے عزیز و اقرباء کی یاد ہی ان کو ارتداد کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ دل سے سچے مسلمان بن جاتے ہیں۔ یہ ترک اپنے

= یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دورِ حاضر کے مورخین نے تیرھویں صدی عیسوی میں سرکاری لگان جو کہ کسانوں کی فصل پر لگایا جاتا تھا اس کی مقدار کے سلسلے میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ مورلینڈ وغیرہ نے صرف سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ کے لگان پر بحث کی ہے کیونکہ جن مشہور مآخذ کو استعمال کیا جاتا ہے اُن میں صرف ضیاء الدین برنی نے علاء الدین خلجی کے عہد کے بارے میں اطلاع دی ہے۔ اگر مورلینڈ جیسے مصنفین تاریخ فخر مدبر کا مطالعہ کرتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ ایبک کے عہد میں لگان عشر اور خراج کی صورتوں میں وصول کیا جاتا تھا اور خراج ۱/۵ تھا۔ چونکہ یہ حقیقت تھی اور اس کا تذکرہ فخر مدبر نے کر دیا تھا لہٰذا عہد وسطیٰ کے مورخین نے اس وقت تک اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھا جب تک کہ اس میں غیر معمولی تبدیلی نہیں ہوئی۔

[۱] ترکستان سے مراد وہ قبائلی علاقہ ہے جو کہ وسط ایشیا کی مسلم مملکتوں یعنی خوارزم، سمرقند، بخارا اور خراسان سے علاحدہ غیر مسلم ترک قبائل کا مسکن تھا۔ آج کل یہ Outer Asia کے نام سے موسوم ہے۔

[۲] تاریخ فخر مدبر۔ ص ۳۸، ۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدیم آبائی وطن میں انسانی تہذیب کی برکتوں سے محروم اور افلاس میں رہتے ہیں۔ ان کے رسم و رواج بھی غیر تہذیب یافتہ ہیں۔ مثال دیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ایک قبیلہ کا دستور ہے کہ اس کے مرد دریا کے ایک کنارے پر رہتے ہیں اور اُس کی عورتیں دوسرے کنارے پر سال میں ایک متعین رات کو عورتیں پایاب دریا کو عبور کرتی ہیں اور اس کنارے پر پہنچ جاتی ہیں جہاں مرد ہوتے ہیں۔ وہاں وصل ہوتا ہے اور جو عورت جس مرد کے ہاتھ لگتی ہے وہ اسی کے ساتھ شب گزارتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کون کس کی ماں ہے اور کون کس کی بہن۔ اس رات کے بعد کوئی مرد عورتوں کے حصہ میں نہیں جاسکتا تھا۔ دستور کی خلاف ورزی پر کوئی بھی ہو اس کو ذلت کے ساتھ موت کی سزا ملتی تھی لیکن جب یہی غیر تہذیب یافتہ ترک مسلم ملکوں میں آتے ہیں تو راسخ العقیدہ مسلمان ہی نہیں بنتے بلکہ فوج اور حکومت میں اپنی صلاحیتوں کی بنا پر بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز ہوتے ہیں۔ امیر اور ملک ہی نہیں بنتے بلکہ سلطان کے مرتبہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ فخر مدبر کے مطابق ترکوں کو یہ امتیاز صرف اسلامی معاشرے ہی میں مل سکتا ہے۔[۱]

غرضکہ فخر مدبر کے مقدمہ کو ہندوستان میں بارہویں صدی عیسوی کی آخری دہائیوں میں مسلم فتح اور اس کے بعد آزاد مسلم سلطنت کے بانی کی پہلی سرکاری تاریخ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن دوسری سرکاری تاریخوں (official histories) کی طرح اس میں مبالغہ آرائی زیادہ نہیں ہے۔ قطب الدین ایبک کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ ان کی بعد کی تاریخوں میں بھی ملتی ہیں۔ لیکن اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ اس سے ہندوستان میں فارسی زبان میں تاریخ نگاری کی روایت کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد دوسری تاریخ جس کا آغاز بھی قطب الدین ایبک ہی کے عہد میں ہوا وہ حسن نظامی نیشاپوری کی مشہور تالیف "تاج المآثر ہے" جس کا تفصیل سے ذکر ہم آئندہ کریں گے۔

۱۔ تاریخ فخر مدبر، ص۳۵ تا ۴۶

مشترک خاندانی نظام اور اسلام از مولانا سلطان احمد اصلاحی

صفحات ۵۶ ۔ آفسٹ کی حسین طباعت ۔ قیمت صرف ۶ روپئے

ناشر: مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی ۔ پان والی کوٹھی ۔ دودھ پور ۔ علی گڑھ ۔ ۲۰۲۰۰۲

© rasailojaraid.com